جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ
عظیم شخصیات
آسمان سے نہیں اترتیں
بلکہ
زمین پر پیدا ہوتی ہیں،
زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛
اور یہ کہ
ہر بچہ
اگر 'چاہے'
تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

تو طیر ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور
بیچارگی پر اپنی نہ جا شان خدا دیکھ

”جماعت اسلامی کے ہر دلعزیز امیر اور قائد ہوتے ہوئے بھی ان کی زندگی میں ایسے نہ جانے کتنے مواقع آئے ہیں جب انھوں نے باسی روٹی اور ترکاری کا ناشتہ کرلیا، لوگ گواہ ہیں کہ مولانا مرحوم باسی روٹی شکر کے ساتھ خوشی خوشی کھاتے تھے۔ بارہا مولانا نے بغیر کرتا یا قمیص اور بنیان کے شیروانی پہن کر جلسوں میں شرکت کی ہے۔ کرتا سوکھ رہا ہے اور آپ انتظار کر رہے ہیں کہ کرتا سوکھ جائے تو شیروانی کے اندر پہن کر باہر نکلیں۔ جماعت نے آپ کی تنخواہ میں اضافہ کرنا چاہا آپ نے بڑی سختی سے روک دیا...

ایک بار سخت بیمار ہوکر آپ اپنے گاؤں چاند پٹی ضلع اعظم گڑھ تشریف لائے اور تین مہینے تک رہ گئے۔ ادارے سے تنخواہ بھیجی جاتی ہر بار لوٹا دیتے۔ جب لوگوں نے بہت ضد کی تو مولانا نے لکھ بھیجا، ”جماعت کوئی خیرات خانہ نہیں ہے۔ جب میں نے کام ہی نہیں کیا تو پھر تنخواہ کس بات کی؟“...

مولانا ابواللیث صاحب کو راہ حق کے اس صبر آزما سفر میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں وہاں بھی انھوں نے اپنے عمدہ کردار کا نمونہ پیش کیا۔ ان کے کوٹے میں دودھ، گھی، گوشت، انڈے، اور چینی منظور کی گئی تھی، مولانا کی بے نیازی دیکھیے انھوں نے یہ کہہ کر کٹوتی کرادی کہ جیل سے باہر کی آزاد فضا میں اس قدر انواع و اقسام کی نعمتوں کا میں عادی نہیں۔ اس لیے قید و بند کے محدود ایام میں اپنی سادہ غذا کی عادت کو خراب نہیں کرسکتا۔

ایک بار ناشتہ کر رہے تھے، ساتھ میں ایک آدمی اور تھے، دسترخوان پر تازی اور باسی دونوں قسم کی چپاتیاں رکھی تھیں۔ اتنے میں ایک فقیر نے آواز دی۔ مولانا نے اسے تازی چپاتیاں ہی بھجوائیں...

معاملات میں بالکل صاف اور بیباک تھے۔ گاؤں والے مکان کی ایک دیوار ٹوٹی تھی گھر والوں نے اسے ٹھیک کرادیا جب چھٹیوں میں گھر پہنچے تو انھیں کسی طرح علم ہوا کہ دیوار پڑوسی کی زمین میں ایک آدھ انچ چلی گئی ہے تو انھوں نے اسے تڑوا دینے کا حکم دیا۔“[۳۵]

(جیوتی سروپ)

ابواللیث اصلاحی ندوی

پیدائش اور تعلیمی سفر: شیر محمد 15 فروری 1913 میں موضع چاند پٹی میں پیدا ہوئے۔ یہی وہ ستارہ تھا جو ہندوستانی تحریک اسلامی کے افق پر ابواللیث اصلاحی کے نام سے ماہ کامل بن کر چمکنے والا تھا۔ اپنے وطن میں ہی ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوئے۔ پھر ادب عربی کی تکمیل کے لیے ندوہ میں داخلہ لیا۔ انھیں کئی ممتاز علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع ملا؛ ان سے فیض اٹھانے میں بھی مولانا نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس ضمن میں ان کے استاد ماہر قرآنیات مولانا حمید الدین فراہیؒ کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ 1933 میں فراغت کے بعد ہی سے وہ ندوہ میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔

تصنیف و تالیف: مولانا ابواللیث کی تحریکی کارناموں کی وجہ سے ان کے تصنیفی شاہکاروں پر لوگوں کا کم ہی دھیان جاتا ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ اوائل سے ہی متعدد رسالوں میں ان کے مقالات پابندی سے چھپا کرتے تھے۔ الضیاء، فاران، الاصلاح، اور ترجمان القرآن وغیرہ میں تو لوگوں کو ان کی نگارشات کا بے صبری سے انتظار رہتا تھا۔ ان کے مضامین عالمانہ ہوتے تھے جن میں سادگی بیان کے ساتھ منطقی تجزیہ بھی ہوتا تھا۔ مولانا ابواللیث کا خاص موضوع قرآنیات تھا۔ لیکن اس کے علاوہ انھوں نے کئی اہم سیاسی موضوعات پر بھی قلم اٹھایا ہے جن میں: مسئلہ انتخابات اور مسلمان ہند؛ ملک و ملت کے چند قابل توجہ مسائل؛ دعوت اسلامی ہندوستان میں اور اخیر عمر میں لکھی گئی تشکیل جماعت اسلامی ہند کیوں اور کیسے... وغیرہ کتابیں جماعتی لٹریچر کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس ممتاز قلمکار نے تصنیف و تالیف کی مامون فضا کو تج کر پر آشوب دور میں تحریکِ اسلامی کی قیادت و امارت کے بارِ گراں کو سر پر ہنستے ہوئے اٹھالیا، یہ قربانی شاید ان کی زندگی کی سب سے بڑی قربانی تھی جس کا بھرپور اجر صرف اللہ ہی دے سکتا ہے۔

قناعت اور سادگی: یہ دو ان کے بنیادی اوصاف تھے۔ ملک گیر اسلامی تحریک کے ہردلعزیز قائد اکثر و بیشتر صبح کو رات کی بچی ہوئی باسی روٹی کا ناشتہ کیا کرتے تھے۔ کئی بار انھیں تپتی گرمی کے موسم میں شیروانی پہنے دیکھا گیا جسے اتارنے کے لیے مولانا کسی طرح تیار ہی نہ ہوتے تھے۔ مگر کیوں؟ کیونکہ ان کے پاس جو ایک ہی کرتا تھا وہ سوکھ رہا ہوتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ غیر جب مجلسوں میں آتے تو پوچھنا پڑتا کہ امیر جماعت کہاں ہیں؟ بارہا مجلس شوریٰ بڑھتی گرانی کے پیش نظر ان کے کفاف میں اضافہ کرنے پر متفقہ بضد ہوئی مگر مولانا اڑے رہے کہ انھیں یہ اضافہ قطعاً منظور نہیں۔ چھوٹی موٹی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے امیر جماعت سائیکل سواری بھی کرلیا کرتے تھے۔ اپنے لیے کسی بھی قسم کے حتی کہ جائز قسم کے اہتمام کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے، ٹرین میں زیادہ تر تیسرے درجے میں سفر کیا کرتے تھے۔ شاید ان کی یہی وہ خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے ہندوستان کے صدر مملکت ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے انھیں کچھ یوں یاد فرمایا تھا، ''کسی کو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ آج دیکھنا ہو، تو وہ مولانا ابواللیث اصلاحی کو دیکھ لے۔''

تحریک کی باگ ڈور: 1947 میں جب برصغیر تقسیم ہوا تو جماعت کے داعی و بانی مفکر اسلام ابو الاعلیٰ مودودیؒ پاکستان چلے گئے۔ جماعت اسلامی ہند کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ امارت و قیادت کا تھا یہ بار گراں 35، 36 برس کے چھریرے بدن کے ایک نوجوان کے سر ڈالا گیا۔ جی ہاں یہی تھے مولانا ابواللیث اصلاحی۔ اس وقت پورا ملک بحران کا شکار تھا۔ مسلمانوں میں انتشار، بے عملی اور مایوسی کی کیفیات تھیں۔ فسادات کا دور دورہ تھا۔ جماعت اسلامی کو آر ایس ایس جیسی فرقہ پرست تنظیموں کی قطار میں کھڑا کرنے کی سازشیں ہو رہی تھیں۔ ان تمام نامساعد حالات کا جس صبر، تحمل، ہمت اور تدبیر سے مولانا ابواللیث اصلاحی نے مقابلہ کیا وہ ان کے سیرت و کردار و بلند حوصلگی کی ایک مثال ہے۔ انھوں نے ملی اتحاد و اتفاق کے لیے ہر قسم کی سعی کی، دیگر اسلامی تنظیموں سے ملاقاتیں کیں، ان کے اعتراضات کو صبر سے سنا ان کے تسلی بخش جوابات دیے۔ وہ مدارس کو دین کا قلعہ سمجھتے تھے لہٰذا رامپور میں مرکزی درسگاہ اسلامی اور ثانوی درسگاہ قائم کی؛ اس کے علاوہ یوپی دینی کونسل، مدرسۃ الاصلاح، ندوۃ العلماء، اور جامعۃ الفلاح کی انتظامیہ سے ان کی لمبی وابستگی رہی۔ ماہرین خصوصاً افضل حسین صاحب کے ذریعے بچوں کے لیے اسلامی نصاب مرتب کرایا تا کہ متعصب تاریخ

جو اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے وہ بچوں کو مسلمان ہونے کی وجہ سے احساس کمتری میں مبتلا نہ کردے۔ اپنی تقریروں اور تحریروں میں انھوں نے بارہا یہ بات باور کرائی کہ مسلمان اقلیت نہیں بلکہ داعی گروہ ہیں۔ جماعت کو ایک متحدہ یونٹ کی طرح انھوں نے کامیابی کے ساتھ منزل کی طرف رواں دواں رکھا۔ کئی بار سخت فیصلے لینے پڑے، کئی بار ارکان سے سخت احتساب لیا، کئی آزمائشوں کی گھڑیاں آئیں لیکن انھوں نے وابستگان کو مایوسی کا شکار نہ ہونے دیا۔ کئی بار جیل گئے لیکن ماتھے پر شکن تک نمودار نہ ہوئی۔ ان کے رفقاء کا کہنا ہے کہ ان میں غیر معمولی قوت برداشت تھی جس کی وجہ سے ان کے قریب ترین ساتھی بھی ان کے کرب کو محسوس نہیں کر پاتے تھے اور باوجود ہزار تکلیفوں کے وہ خندہ پیشانی سے ہر ایک کی ہمت بڑھاتے تھے اس بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ ان کے کسی اقدام سے وابستگان پر کوئی غلط تاثر نہ پڑے۔ نظم اور وقت کی سختی سے پابندی کرتے اور کرواتے تھے۔ ملکی حالات پر ان کی گہری نگاہ تھی۔ جب بھی بولتے تھے ایک ایک لفظ تول کر بولتے تھے۔

ملکِ عدم: تحریک اسلامی ہند کی 32 سالہ کامیاب قیادت کرنے کے بعد موصوف کا اپنے آبائی وطن میں تصنیف و تالیف کا ارادہ تھا لیکن شاید خداوند کریم نے نصف صدی سے بھی زیادہ سرگرم اس شخصیت کو آرام دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ لہٰذا پانچ دن کی مختصر سی علالت کے بعد 5 دسمبر 1990 کو مولانا ابواللیث اصلاحی صاحب نے اعظم گڑھ کے ایک پرائیوٹ اسپتال میں جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرض الموت کے ایام میں بھی کوئی نماز قضا نہ ہونے پائی۔ جس روز وفات پائی اس روز بھی فجر کی نماز ادا کی۔ انتقال سے نصف گھنٹے قبل جب ہوش میں آئے تو آخری الفاظ یہی تھے، ''نماز پڑھ لوں؟'' لہٰذا لیٹے لیٹے ہی نماز ادا کی۔ اللہ اللہ کتنی قابل رشک موت تھی!! اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو قبول فرمائے اور ان کے جانے سے تحریک اسلامی ہند میں جو خلا پیدا ہوا ہے اسے اپنے دست غیب سے پر کرنے کا نظم فرمائے۔ آمین!